مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے علامہ اقبال کی دعائیں

کلی تو لبِ اقبال سے ہے کیا جانیے کس کی ہے یہ صدا پیغامِ سکون پہنچا بھی گئی، دل محفل کا تڑپا بھی گئی
چشمِ کرم ساقیا، دیر سے ہے منتظر جلوتیوں کے سبُو، خلوتیوں کے کدُو

اسلام میں دعا کی بے حد اہمیت ہے۔ قرآن مجید اور احادیثِ رسول میں کئی دعائیں ملتی ہیں مسلمانوں کی کوئی نماز اور عبادت دعا سے خالی نہیں۔ اللہ اور رسول نے مسلمانوں کو بار بار ہدایات کی ہیں کہ وہ ہر حال میں خدا کو پکاریں، ہر کامیابی پر خدا کا شکر ادا کریں اور ہر مشکل اور ناکامی کی صورت میں اسی سے مدد مانگیں۔ علامہ اقبال کو ہر پہلے اور مخلص مسلمان کی طرح دعا پر بے حد یقین تھا۔ انھوں نے اپنی نثر اور نظم میں دعا کی اہمیت پر لکھا اور اس کے ساتھ ساتھ نہایت خلوص کے ساتھ مسلمانوں کے اتحاد اور ترقی کے لیے دعائیں لکھتے رہے۔ ان کی بعض دعائیں عام مسلمانوں کے لیے اور بعض مسلم نوجوانوں کے لیے ہیں۔ مگر ہر دعا قبول نہیں ہوتی اور علامہ اقبال کو بھی اس بات کا احساس تھا۔ البتہ دعا و مناجات دراصل اپنے جذبات اور احساسات کے اظہار کا ذریعہ ہے اور ہر پر خلوص بات اور دعا اثر رکھتی ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے۔

دعا کو شرفِ قبولیت بخشنا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ علامہ اقبال کو پختہ یقین تھا کہ دعا قبول ہو یا نہ ہو، وہ اپنا خوش گوار اثر ضرور دکھاتی ہے، مگر ممکن ہے بعض دعاؤں کا نتیجہ دیر میں ظاہر ہو۔

تیری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے
تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری میری دعا ہے تیری آرزو بدل جائے

علامہ اقبال نے اردو اور فارسی میں بہت سی منظوم دعائیں لکھی ہیں۔ پہلے ہم مختصر طور پر ان دعاؤں کے بارے میں بحث کرتے ہیں جو علامہ کے اردو کلام میں کوئی بارہ یا تیرہ جگہوں پر ملتی ہیں۔

ان میں دو تین تو مستقل نظموں کی صورت میں ہیں۔ ایک بانگِ درا میں اس طرح ہے:

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے — جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے
پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرّے کو چمکا دے — پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے
محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے — دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو، پھر سوئے حرم لے چل — اس شہر کے خوگر کو، پھر وسعتِ صحرا دے
پیدا دلِ ویراں میں، پھر شورشِ محشر کر — اس محملِ خالی کو، پھر شاہدِ لیلا دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو — وہ داغِ محبت دے، جو چاند کو شرما دے
رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر — خود داریٔ ساحل دے، آزادیٔ دریا دے
بے لوث محبت ہو، بیباک صداقت ہو — سینوں میں اجالا کر، دل صورتِ مینا دے
احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا — امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو داتا دے

ان اشعار میں اقبال نے مسلمانوں کے اتحاد اور ان کی روحانی اور مادی ترقی کی دعا بڑی دردمندی سے کی ہے۔ وہ مسلمانوں کے لیے دعا کرتے ہیں کہ ان کی آنکھیں اور دل اس نورِ بصیرت سے بھر دیے جائیں جو اس شاعرِ اسلام کو عطا ہوا ہے۔ وہ وادی فاران اور حرمِ پاک کا ذکر کرتے ہیں۔ مکہ مکرمہ مسلمانوں کے اتحاد کا مرکز ہے۔ اقبال دعا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عملی طور پر اس مرکزِ اسلام کی طرف متوجہ رکھے، انھیں ایک دوسرے کو حقیقی معنی میں بھائی سمجھنے کی توفیق دے، ان کے دل ایک دوسرے سے جوڑ دے اور انھیں ایثار اور قربانی کا جذبہ عطا ہو۔ دانائے راز دعا فرماتے ہیں کہ مسلمان اپنے شاندار ماضی کو یاد کرنے والے بنیں، اپنے حال کو بہتر بنائیں، مگر اس سے بھی اہم تر یہ ہے کہ وہ اپنے مستقبل کا سوچنے والے ہوں۔ ماضی یا حال کی ناکامیوں کی روشنی میں وہ اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کی ضمانت دینے کے قابل ہوں۔ اس دعا کے آخری شعر میں اقبال اللہ تعالیٰ سے التماس کرتے ہیں کہ ان کی پُرخلوص دعا اور صدا پُراثر ہو:

اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریاد — نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد

یہ دعا واقعی بڑی پُراثر ہے اور اس میں اقبال کی یہ آرزو کتنی مبارک ہے کہ مسلمان صاحب نظر بنیں اور حکیم الامت کی فراست اور بصیرت سے انھیں بھی حصہ ملے۔ یہ دعا جہاں ایک طرف علامہ کی خودشناسی کو ظاہر کرتی ہے وہاں ملتِ اسلامیہ کے لیے ان کا درد اور سوز بھی اس سے ظاہر اور آشکار ہو جاتا ہے۔ وہ اس بات کے کتنے آرزومند تھے کہ ان کے افکار اور خیالات عالمِ انسانی میں اور خصوصاً عالمِ سلام میں پھیلیں۔ انھیں اپنی قرآنی بصیرت کی اہمیت کا احساس تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی بصیرت کی تجلیاں دوسرے مسلمانوں کے دلوں تک بھی پہنچیں:

مری ناؤ گرداب سے پار کر — یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر
بتا مجھکو اسرارِ مرگ و حیات — کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات
مرے دیدۂ تر، کی بے خوابیاں — مرے دل کی پوشیدہ بیتابیاں
مرے نالۂ نیم شب کا نیاز — مری خلوت و انجمن کا گداز
امنگیں مری، آرزوئیں مری — امیدیں مری، جستجوئیں مری
مری فطرت آئینۂ روزگار — غزالانِ افکار کا مرغزار
مرا دل، مری رزم گاہِ حیات — گمانوں کے لشکر، یقین کا ثبات
یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر — اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے
لٹا دے، ٹھکانے لگا دے اسے

ساقی نامے (بال جبریل) کے یہ اشعار کتنے پُراثر بلکہ رقت انگیز ہیں۔ اقبال کشتیٔ ملت کے تیز حرکت کرنے کی دعا کرتے ہیں۔ ان کے پاس جو کچھ ہے، اسے وہ قافلۂ اسلامی میں تقسیم کر دینا چاہتے ہیں۔ لیکن توجہ کے قابل بات یہ ہے کہ ان کے پاس تھا کیا؟ قوم کے درد میں راتوں کو جاگتے رہنے کے دوران کے آنسو، رات اور دن، مجلس آرائی اور تنہائیوں کا جمع کیا ہوا سوز و ساز اور مسلمانوں کے اتحاد اور ترقی کی آرزوؤں کا سرمایہ۔ اپنے "شکوہ" کے آخر میں بھی انھوں نے دعا فرمائی تھی:

مشکلیں امتِ مرحوم کی آساں کر دے — مورِ بے مایہ کو ہمدوش سلیماں کر دے
جنسِ نایابِ محبت کو پھر ارزاں کر دے — ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کر دے

اس دعا سے اس آرزو کا اظہار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اسلام پر عمل کرنے کی توفیق دے اور انھیں عجمی اور غیر اسلامی اصولوں کے نقصانات سے آگاہی دے۔ اقبال اسی لیے حجاز کے مغنی بننا چاہتے تھے:

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستاں سے اے اقبالؔ اڑا کے مجھ کو غبارِ رہِ حجاز کرے

اقبال کی مشہور نظم "شکوہ" کا آخری بند اس دعا اور آرزو پر مبنی ہے کہ مسلمان حکیم الامت کے اس شعری پیغام سے بیدار ہوں جو اردو یا فارسی میں ہے مگر اس کی اصل اسلامی، حجازی اور عربی ہے:

چاک اس بلبلِ تنہا کی نوا سے دل ہوں جاگنے والے اس بانگِ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں پھر اس بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں

عجمی خم ہے تو کیا، مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا، لے تو حجازی ہے مری

اقبال نے دوسری جگہ فرمایا ہے:

میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

اب دیکھنا یہ ہے کہ ماضی کے تعلق سے اقبال نے دعا و مناجات میں کس طرح کام لیا ہے؟

اقبال بہت بڑے عاشقِ رسولؐ تھے۔ ان کے نزدیک عشقِ رسول سے مسلمانوں کو اتحاد نصیب ہو سکتا ہے اور ایمان و یقین کی لذت بھی عاشقِ رسول، تہذیبِ حاضر اور مغربیت کے فتنوں سے قطعاً محفوظ رہتا ہے۔ اپنے متعلق انھوں نے کیا خوب فرمایا ہے:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اس لیے وہ مسلمانوں کے لیے دعا کرتے ہیں کہ وہ عاشقِ رسولؐ بنیں۔ ان کے ایک شعر میں، واقعۂ معراج کی مناسبت سے، صاحبِ مازاغ سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک ہے:

فروغِ مغربیاں خیرہ کر رہا ہے تجھے تری نظر کا محافظ ہو صاحبِ "مازاغ"

قرآن مجید میں مومنوں کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ ان کا دل ہر قسم کے رنج و غم اور خوف و ہراس سے پاک ہوتا ہے۔ وہ رضائے خداوندی کے طالب ہوتے ہیں اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں، خصوصاً

ابۂ کرام کی زندگیاں ایسے ہی ایمان کا نمونہ رہی ہیں۔ وہ عقل و خرد کے نہیں، عشق و جنون کے
، دادہ تھے اور اقبال دعا فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنی حقیقی کامیابیوں کی خاطر ان مومنوں کی یہی دولت
ن نصیب ہو۔ بالِ جبریل کی یہ دو بیتی کس قدر ایمان پرور ہے۔

عطا اسلاف کا سوزِ دروں کر شریک زمرۂ "لا یحزنون" کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

یہ دعا انفرادی ہوتے ہوئے بھی اجتماعی شان رکھتی ہے۔ کیونکہ اقبال، ایک مردِ مومن کے جذبے کے مطابق، اپنے لیے وہی چاہتے تھے جو وہ پوری ملتِ اسلامیہ کے لیے چاہتے تھے۔

صفتِ برق چمکتا ہے مرا فکر بلند کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمتِ شب میں راہی

گویا اقبال نے عشقِ رسولؐ اور اسلاف کے سچے ایمان اور عمل کے حوالے سے مسلمانوں کے لیے دعائیں کی ہیں کہ وہ بھی عشقِ رسول اور حقیقی ایمان کی نعمتوں سے مالا مال ہیں۔ البتہ حضرت علامہ نے بعض دعاؤں میں کئی بزرگانِ دین کی سیرت کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ اقبال کو استغنا یا بے نیازی کی صفت بہت پسند تھی کیونکہ اسی صفت پہ اللہ تعالیٰ کی شانِ صمدیت کا سایہ اور پرتو نظر آتا ہے :

خدائے پاک بندوں کو حکومت میں، غلامی میں ذرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا
تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

وہ ایک بیتی میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صفت بے نیازی سے مالا مال کرے تاکہ انھیں مہر و وفا اور صاحبِ الٰہی کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی بے نظیر شجاعت و قوت سے بھی بہرہ ملے۔

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر حریمِ کبریا سے آشنا کر
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر

پھر اقبال مجاہدینِ اسلام کے کارناموں کی رعایت سے یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ مسلمان حق کے علم بردار ہوں، باطل کو نیچا دکھانے کے قابل ہو سکیں اور ان کی نگاہوں میں بجلی اور شمشیرِ بے نیام کی سی چمک پیدا ہو :

دل مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے　　وہ گرمی کہ تھی نعرۂ "لاتذر" میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے　　نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے

اقبال نگاہوں سے تلوار اور شمشیر کا کام لینا چاہتے تھے مگر اس بات کی میں ذرا مزید وضاحت کر دوں، اقبال کے نزدیک "مردِ مومن" کی نگاہ وہی کام کرتی ہے جو کسی بادشاہ یا سلطان کے لشکر کی تلواریں۔ "ارمغانِ حجاز" میں اس مناسبت سے وہ اپنے لیے دعا فرماتے ہیں کہ اگر وہ حضرت علی کی شمشیر کے اہل نہیں تو ان کی نگاہ ہی اس شمشیر کی سی ہو جائے تاکہ اس سے وہ دل کے خیبر فتح کرتے جائیں۔ ایک مقام پر وہ اپنے جذبۂ جہاد پر خوش بھی نظر آتے ہیں:

مقابلہ تو زمانے کا خوب کرتا ہوں　　اگرچہ میں نہ سپاہی ہوں، نے امیرِ جنود
مجھے خبر نہیں یہ شاعری ہے یا کچھ اور　　عطا ہوا ہے مجھے ذکر و فکر و جذب و سرور

اقبال باطل کے مقابلے کے لیے شمشیر و اسلحہ کی ضرورت سے بے نیاز یا غافل نہ تھے مگر وہ اسلحہ کے ساتھ ساتھ سیرت و کردار کی پختگی کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی　　ہو جس کے جوانوں کو خودی صورتِ فولاد

اقبال ماضی یا حال کے نہیں بلکہ مستقبل کے شاعر اور مفکر تھے۔ انھیں یقین تھا کہ ان کے قرآنی افکار پر نوجوان ہمیشہ توجہ کرتے رہیں گے۔ اسی لیے انھوں نے جوانوں پر خصوصی توجہ دی۔ انھوں نے جوانوں کو اخلاق اور تعلیم و تربیت اپنانے کے معاملے میں عمدہ نصیحتیں کیں اور ان کی امکانی صلاحیتوں کی داد دی۔ جیسے:

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے　　ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند
اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور　　قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں

اقبال کے نزدیک نوجوان کسی قوم کے جذبۂ عشق کے مانند ہیں اور

خوارِ جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم　　عشق ہو جس کا جسور، فقر ہو جس کا غیور

اس لیے حضرت علامہ نے نوجوانوں کے لیے خصوصی دعائیں بھی مانگی ہیں۔ دو شعر یوں ہیں:

جوانوں کو مری آہِ سحر دے　　پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا، آرزو میری یہی ہے　　مرا نورِ بصیرت عام کر دے

علامہ اقبال کی خواہش تھی کہ ملتِ اسلامیہ کے نوجوانوں کی جوانی بے داغ ہو تاکہ ان میں سے مثالی مردِ مومن پیدا ہوسکیں، لیکن اس کے لیے ایک ضروری بات یہ ہے کہ وہ صحبتِ ناجنس سے بچیں:

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی — خراب کرگئی شاہین بچے کو صحبتِ زاغ
حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی — خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

حضرت علامہ کی توقعات اور ان کی دعائیں بڑی حد تک عملی اور قبول ہوتی نظر آرہی ہیں، کیونکہ نوجوان پورے عالمِ اسلام میں دین سے سخت وابستگی دکھا رہے ہیں اور عالمِ اسلام میں احیا اور نشاۃ ثانیہ کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں، جن کے پیچھے اتحاد، یک جہتی اور کوششِ پیہم کے امور دیکھے جاسکتے ہیں۔ مگر نوجوانوں کے سلسلے میں اقبال کی دعاؤں کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ ان کی ایک اہم دعا ساقی نامے میں یوں ملتی ہے:

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا — وہی جام گردش میں لا ساقیا
مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا — مری خاک جگنو بنا کر اڑا
خرد کو غلامی سے آزاد کر — جوانوں کو پیروں کا استاد کر
ہری شاخِ ملت ترے نم سے ہے — نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے — دلِ مرتضیٰؓ سوزِ صدیقؓ دے
جگر سے وہی تیر پھر پار کر — تمنا کو سینوں میں بیدار کر
ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر — زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے — مرا عشق، میری نظر بخش دے

سبحان اللہ، یہ کیا عظیم دعا ہے کہ "جوانوں کو پیروں کا استاد کر" اور جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے۔ حضرت علامہ کا مدعا یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے نوجوانوں کے ذریعے تعلیماتِ اسلامی کا بھرپور احیا ہو جائے۔ زندگی کے آخری دس گیارہ برس اقبال نوجوانوں پر زیادہ متوجہ رہے۔ کوئی پچاس برس کی عمر تک اقبال ہم خیال دوست تلاش کرتے رہے اور عام مسلمانوں کو بیداری کا پیغام دیتے رہے۔ پھر وہ نوجوانوں کے لیے خصوصی دعاؤں کا آغاز کرتے ہیں۔ پہلا شعر زبورِ عجم میں نظر آتا ہے جو پہلی بار ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی تھی۔

زبادہ کہ بخاکِ من آتشے آمیخت　　پیالۂ بجوانانِ نو نیاز آورد

جاوید نامہ اقبال کی عظیم فارسی کتاب ہے جو پہلی بار ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کا ضمیمہ خطاب بہ جاوید (نئی نسل سے باتیں) جوانانِ ملت سے متعلق ہے۔ اقبال نوجوانوں سے کہتے ہیں کہ اگر وہ دانائے راز کی باتوں کو حرزِ جاں بنائیں تو وہ ان کے لیے بعد از مرگ قبر میں بھی دعاگو رہیں گے۔

سرِّ دینِ مصطفیٰ گویم ترا　　ہم بقبر اندر دعا گویم ترا

اس کتاب کی "مناجات" بے بدل اور کم عدیل ہیں۔ اقبال نے اس کتاب میں عظیم حقائق بیان کیے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ خدا کرے یہ کتاب جوانانِ ملت کے لیے قابلِ فہم و استفادہ ہو۔

بحرم و از من کم آشوبی خطاست　　آنکہ در مقرم نرود آیہ کجاست

یک جہاں بر ساحلِ من آرمید　　از کراں غیر از رمِ موجے ندید

من کہ نومیدم ز پیران کہن　　دارم از روزے کہ می آید، سخن

بر جواناں سہل کن حرفِ مرا　　بہر شاں پایاب کن ژرفِ مرا

ترجمہ: میں ایک سمندر ہوں اور اگر میں طوفان خیز نہ ہوں تو یہ میری خامی ہوگی۔ کہاں ہے وہ جو میری گہرائی تک جا پہنچے۔ ایک دنیا میرے ساحل پر آ رکی۔ کنارے سے اہل دنیا نے حرکتِ امواج کے سوا کچھ نہ دیکھا۔ میں پرانے بوڑھوں سے مایوس ہوں۔ میرے پاس آنے والے دن (مستقبل) کی بات ہے۔ خدایا۔ جوانانِ ملت پر میری بات آسان کر دے۔ ان کے لیے میرے اتھاہ سمندر کو پایاب بنا دے۔

مثنوی پس چہ باید کرد، (اشاعت اوّل ۱۹۳۶ء) کے آخر میں حضورِ رسالت مآب ؐ اقبال کی ایک دردمندانہ التجا ملتی ہے۔ اس التماس میں شاعر اپنی صحت کی دعا کرتے ہیں کیوں کہ آواز بیٹھ جانے سے انھیں سحر کے وقت قرآن مجید کی تلاوت کرنے میں بے لطفی محسوس ہو رہی ہے اور کڑوی دوائیں پی پی کر وہ بے حد اذیت محسوس کر رہے ہیں۔ اس التماس کے علاوہ باقی مناجات ملّی امور کے لیے وقف ہے اور جوانانِ ملت کی اصلاح حال کی آرزو کو وہ فراموش بھی کیسے کر سکتے تھے؟

ایں مسلمان زادۂ روشن دماغ　　ظلمت آباد ضمیرش بے چراغ

در جوانی نرم و نازک چوں حریر — آرزو در سینۂ او زود میر
ایں غلام ابن غلام ابن غلام — حریت اندیشۂ او را حرام
مکتب از وے جذبۂ دیں در ربود — از وجودش ایں قدر دانم کہ بود
آتش افرنگیاں بگداختش — یعنی ایں دوزخ دگرگوں ساختش
"قم باذنی" گوئے و او را زندہ کن — در دلش "اللّٰہ ھو" را زندہ کن

ترجمہ : اس روشن خیال مسلمان نوجوان کے دل کا تاریک خانہ چراغ کے بغیر ہے۔ جوانی میں وہ ریشم کی طرح نرم و نازک ہے۔ اس کے سینے میں چراغِ آرزو جلد بجھ رہا ہے۔ اس غلام ابنِ غلام کی عقل کے لیے آزادیٔ فکر حرام ہے۔ فرنگیوں کی آگ نے اسے پگھلا دیا یعنی مغربیوں کے دوزخ نے اس جوانِ ملت کی حیثیت بدل دی ہے۔ یا رسول اللہ، قم باذنی" (میری اجازت اور حکم سے اُٹھ) کے کلمات سے اس جوانِ ملت کو زندہ فرمائیں اور اس کے دل میں اللہ ھو (ذکرِ حق) کا ذوق پیدا فرمائیں۔

اقبال، ملت کے نوجوانوں کی ہر کامیابی اور ان کے جوش و ولولہ سے بے حد دل گرم ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگِ یرموک میں ایک نوجوان کے جوش جہاد اور ۱۹۱۲ء میں طرابلس واٹلی کی جنگ کے دوران فاطمہ بنت عبداللہ، ایک گیارہ سالہ عرب لڑکی، کی شہادت کے بارے میں انھوں نے مستقل نظمیں لکھی ہیں۔ ارمغانِ حجاز، میں وہ جاوید کو مصروفِ نماز دیکھ کر کتنے مسرور ہوتے ہیں۔

چہ می خواہی ازیں مرد تن آسائے — بہر بادے کہ آمد رفتم از جائے
سحر جاوید را در سجدہ دیدم — بہ صبحش چہرۂ شامم بیارائے

وہ آرزومند تھے کہ جاوید اور جملہ نوجوانانِ ملت عشق رسول کی حلاوت سے مستفید ہوں:

ز شوق آموختم آں ہا و ہوئے — کہ از سنگے کشاید آب جوئے
ہمیں یک آرزو دارم کہ جاوید — ز عشق بگرو رنگ و بوئے

اس دوبیتی کے بعد کی دو دعائیہ دوبیتیاں دیکھیں اور حکیم الامت کے دردِ ملت کو محسوس کریں اور جوانانِ ملت کے لیے ان کی دل سوزی کو بھی۔

یکے بنگر فرنگی کج کلاہان — تو گوئی آفتاند و ماہان

جوانِ سادہ من گرم خون است نگہدارش ازیں کافر نگاہاں
بدہ دستے ز پا افتادگاں را بہ غیر اللہ دل نادادگان را
ازاں آتش کہ جانِ من برافروخت نصیبے دہ مسلماں زادگاں را

یعنی یا رسول اللہ، فرنگی کج کلاہ اور متکبر دیکھنے میں آفتاب و ماہ کی طرح تاب ناک و بارعب ہیں۔ میرے سادہ جوانانِ ملت گرم خون اور اثر پذیر ہیں۔ یا رسول اللہ! ان کافر ادا اور فتنہ پرور نگاہ والوں سے میرے یہ نوجوان محفوظ رہیں۔ ہم زوال یافتہ مگر غیر اللہ کو دل نہ دینے والوں کی مدد فرمایئے۔ یا رسول اللہ! جس آگ نے میری روح کو پُرتپش بنا رکھا ہے، اس سے جوانانِ ملت کو بھی حصہ ملے۔

ارمغانِ حجاز کے اس حصے کی چند دوسری رباعیاں بھی ملاحظہ کریں جو اسی سلسلے کی ہیں:

مسلماں آں فقیر کج کلاہے رمید از سینۂ او سوز آہے
دلش نالد، چرا نالد؟ نداند نگاہے یا رسول اللہ! نگاہے
بیان احوال او را بر لب آرم توجہ بینی نہان و آشکارم
نداد دو صد سالش ہمیں بس کہ دل چوں کُندہ قصاب دارم
در عالم بہشتے خرمے ہست بشاخ او ز اشک من نمے ہست
نصیبِ او ہنوز آں ہا و ہو نیست کہ او در انتظار آدمے ہست
بدہ او را جوانِ پاک بازے سرورش از شراب خانہ سازے
قوی بازوے او مانند حیدرؓ دلِ او از دو گیتی بے نیازے

یعنی مسلمان جو کبھی کج کلاہ تھا اس کے دل سے سوزِ آہ جاتا رہا۔ اس کا دل رو رہا ہے، مگر اسے خبر نہیں کیوں! یا رسول اللہ اس پر نگاہِ التفات فرمائیں۔ آپ پر میرا ظاہر و باطن آشکار ہے۔ میں اس ملت کی حالت کیسے بیان کروں بجز اس کے کہ اس کی دو سو سالہ تاریخ سے میرا دل قصاب کے کندہ "گوشت کی طرح ہے۔ عالمِ اسلام میں ایک مبارک جنت نظر آ رہی ہے، جس کی شاخ میرے آنسوؤں سے تر ہے۔ مگر اس عالم میں ہنگامے بپا نہیں کیونکہ وہ کسی انقلابی انسا کی تلاش میں ہے۔ یا رسول اللہ! عالمِ اسلام کو پاک باز نوجوان نصیب ہو۔ ایسا نوجوان جس کا

ایک خانہ ساز شراب سے ہو۔ اس نوجوان کے بازو حضرت علی حیدرؓ کے بازوؤں کی طرح قوی ہوں اور اس کا دل دو جہاں سے بے نیاز ہو۔ پھر یوں تو ہر مسلمان کو مؤدب بننا چاہیے مگر اقبال نوجوانوں اور طلبا سے اس صفت کا بالخصوص مطالبہ کرتے ہیں۔ جاوید نامہ میں فرمایا:

نوجوانے را چو بینم بے ادب — روزِ من تاریک می گردد چو شب
تاب و تب در سینہ افزاید مرا — یادِ عہدِ مصطفیٰؐ آید مرا
از زمانِ خود پشیماں می شوم — در قرونِ رفتہ پنہاں می شوم

مقصد یہ ہے کہ نوجوانوں کو غیر مؤدب دیکھ کر اقبال سخت پریشان اور غم ناک ہوتے تھے۔ اس حالت میں آپ خیر القرون خصوصاً نبی اکرمؐ کے عہدِ مبارک کو یاد کرتے تھے۔

ارمغانِ حجاز میں انھوں نے نہایت واضح طور پر فرمایا کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت اور ادب آموزی میں بھی اضافہ ہونا چاہیے۔

ادب پیرایۂ نادان و دانا ست — خوش آنکو از ادب خود را بیاراست
ندارم آں مسلمان زاد را دوست — کہ در دانش فزود و در ادب کاست

ایک ادب خوردۂ دل نوجوان کے لیے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اقبال کا ایک مثالی نوجوان ہے اور ان اشعار کا مصداق ہے:

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا — شباب جس کا ہے بے داغ ضرب ہے کاری
اگر ہو جنگ تو شیرانِ غاب سے بڑھ کر — اگر ہو صلح تو رعنا، غزالِ تاتاری

الفخری : ابن طقطقیٰ — اردو ترجمہ مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

یہ ساتویں صدی ہجری کے نامور مورخ ابن طقطقیٰ کی تاریخ کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب کا شمار معتبر مآخذ تاریخ میں ہوتا ہے اور بے لاگ تبصرہ اور تنقید کی بنا پر اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

صفحات ۹۶ — قیمت ۱۲ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ، لاہور

مطالعۂ حدیث

مولانا محمد حنیف ندوی

استشراق زدہ حضرات کا کہنا ہے کہ حدیث و سنت کی تدوین و تسوید تیسری صدی ہجری میں محض تاریخی عوامل کی بنا پر معرضِ ظہور میں آئی۔ مولانا ندوی نے اس کتاب میں اس اعتراض کا محققانہ جواب دیا ہے اور بتایا ہے کہ حدیثِ نبوی کی اشاعت و فروغ اور حفظ و صیانت کا سلسلہ عہدِ نبوی سے لے کر صحاح ستہ کی تدوین تک ایک خاص قسم کا تسلسل لیے ہوئے ہے، جس میں شک و ارتیاب کی کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ انھوں نے حدیث کے علوم و معارف پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ یہ ایک مکمل سائنس ہے، جس میں رجال و روات کی چانچ پرکھ کے پیمانوں کی تشریح کا اہتمام بھی کیا گیا ہے اور ان اصولوں کی نشان دہی بھی کی گئی ہے جن سے محدثین نے متن کی صحت و استواری کا تعین کیا ہے۔ اسلام میں حدیث و سنت کا جو درجہ ہے، اس کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

صفحات ۱۲+ ۲۱۵ قیمت ۲۵ روپے

مقالات

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

یہ کتاب مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان مضامین میں آپ کو کچھ ایسے نکات ملیں گے جو اس سے پہلے سامنے نہیں آئے۔ ضروری نہیں کہ مؤلف کے تمام افکار سے آپ کو اتفاق ہو، لیکن یہ بھی کوئی مستحسن بات نہیں کہ ہر فکری نو کو صرف اس لیے ناقابلِ اعتنا قرار دیا جائے کہ یہ بات پہلے نہیں سنی تھی۔ فکر کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے اور قدرت کا منشا بھی یہی ہے کہ فکری ارتقا جاری رہے۔ جس طرح دین کے خلاف کوئی فکر ہمارے لیے جائز نہیں، اسی طرح دین پر جمود کا قفل لگا دینا بھی درست نہیں۔ اس مجموعے میں آپ کو یہی خصوصیت نظر آئے گی۔ اصول میں استحکام اور فروع میں غور و فکر کی لچک۔

صفحات ۵۰۰ قیمت ۲۵ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور